ڈاکٹر سید رفیع الدین اشفاق :

اقبال کی نعت گوئی

نعتیہ شاعری کی تاریخ رسول‌اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے شروع ہوتی ہے۔ اس کا آغاز جس ماحول میں ہوا وہ خالص عربی تھا، جہاں صادق البیانی شعر کا اصل وصف سمجھا جاتا تھا۔ اسی لیے اس دور کی شاعری زندگی سے قریب تھی۔ دور اول کی نعتیہ شاعری میں قرآنی اسلوب پایا جاتا ہے، یعنی رسول‌اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معنوی اوصاف کا بیان ہے۔ جہاں اوصاف حسیہ کا بیان آ گیا ہے وہ بھی حقیقت سے بعید نہیں ہے، اس لیے کہ اصحاب رسولؐ نے جمال محمدیؐ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا اور حسن و جمال کا سارا نقشہ ان کی نظروں میں تھا۔ وقت کے ساتھ نعتیہ شاعری کا انداز بدلتا گیا اور اس میں حکمت آفرینی کے بجائے جذباتی عقیدت مندی کا رنگ غالب ہو گیا۔ عجمی تصوف نے سونے پر سہاگے کا کام کیا اور اس رنگ کو اور نکھارا۔ اب محبان رسول نے جذباتی عقیدت مندی اور خیالی بدمستی کو اصل ایمانی کیفیت سمجھ لیا جس نے امت مسلمہ کی عملی اور مجاہدانہ طاقت کو نقصان پہنچایا۔

فارسی نعت گو شعراء میں سنائی کو اس لحاظ سے فوقیت حاصل ہے کہ انھوں نے نعتیہ مضامین کو مباحث کے طور پر پیش کیا۔ ان کے خیالات میں حکیمانہ گہرائی، ذہنی پختگی اور الہامی برجستگی پائی جاتی ہے۔ فریدالدین عطار اور نظامی کے یہاں بھی روح افزا

نعتیں ملتی ہیں۔ خاقانی کا قصیدہ اپنے شعری محاسن کے لیے مشہور ہے۔ مولانا روم کے دیوان غزلیات میں نعتیہ اشعار کے علاوہ ان کی شہرۂ آفاق مثنوی کے دفتر میں مختلف مباحث کے تحت حقیقتِ مصطفوی ص کا حکیمانہ اور عارفانہ بیان ملتا ہے جس میں زندگی کے مسائل سمجھانے کے لیے شاعرانہ تمثیلات کا طرز اختیار کیا گیا ہے۔ ان کے علاوہ سعدی، امیر خسرو، جامی، عرفی، قدسی وغیرہ کے کلام میں جوش، خلوص، تڑپ اور عرفان کی جامعیت پائی جاتی ہے۔

ان عظیم نعت گو شعراء کی فہرست میں گو ظہور کے لحاظ سے علامہ اقبال سب سے آخر ہیں، لیکن فضیلت کے اعتبار سے، مولانا روم کے زیر اثر، سب سے اول ہیں۔ اس فضیلت کے کئی وجوہ ہیں اور اس درجے تک پہنچنے کے لیے شاعر کو ذہنی ارتقا کی کئی منزلوں سے گزرنا پڑا ہے۔ پہلے تو وہ خاک وطن کے پرستار تھے اور ہر چیز میں حسن ازل کی جھلک دیکھتے تھے۔ پھر جب یورپ پہنچے تو ان میں نیا شعور بیدار ہوا اور ان کا شغف قرآن سے بڑھ گیا۔ مطالعۂ قرآن نے درک و بصیرت کے ساتھ مختلف علوم سے آگاہی بخشی۔ انسان کامل کے تخیل سے متعلق اقبال کے ذہنی ارتقا کی بنیاد یہیں قائم ہوئی۔ چنانچہ مکاتیبِ اقبال حصہ اول کے آخر میں ڈاکٹر نکلسن کے نام جو مکتوب سخت کوشی سے متعلق ہے، اس میں لکھتے ہیں:۔۱

"وہ (معترض) انسان کامل کے متعلق میرے تخیل کو صحیح طور پر سمجھ نہ سکا۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے غلط بحث کر کے

۱۔ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان: "اقبال اور قرآن"، طبع اول، لاہور، اقبال اکامی، ۱۹۷۷ء، ص ۳۵۔

میرے انسان کامل اور جرمن مفکر نطشے کے فوق الانسان کو ایک ھی چیز فرض کرلیا ھے۔ میں نے آج سے تقریباً بیس سال قبل سنہ ۱۹۰۷ء میں انسان کامل کے متصوفانہ عقیدے پر قلم اٹھایا تھا اور یہ وہ زمانہ ھے جب کہ نہ تو نطشے کے عقائد کا غلغلہ میرے کانوں تک پہنچا تھا نہ اس کی کتابیں میری نظروں سے گذری تھیں"۔

مطالعۂ قرآن نے علامہ کے خیالات میں ایک عظیم انقلاب پیدا کیا اور اب قرآن ان کی فکرکا محور بن گیا۔ چنانچہ وہ "رموز بےخودی" میں بعنوان "عرض حال مصنف بحضور رحمۃللعالمین" لکھتے ھیں:

محفل از شمعِ نوا افرو ختم — قوم را رمزِ حیات آموختم
گر دلم آئینۂ بےجوھر است — در بحرفم غیرِ قرآں مضمر است
روز محشر خوار وہ رسوا کن مرا — بےنصیب از بوسۂ پا کن مرا۔۱

قرآن مجید کے متعلق علامہ اقبال کے تاثرات ملاحظہ فرمائیں:

گر تو می خواھی مسلماں زیستن — نیست ممکن جز بقرآں زیستن

فاش گویم آنچہ در دل مضمر است
ایں کتابے نیست چیزے دیگر است
چوں بجاں در رفت جاں دیگر شود
جاں چو دیگر شد جہاں دیگر شود
مثل حق پنہاں وھم پیدا ست ایں
زندہ و پائندہ و گویا ست ایں

۱۔ اقبال: "رموز بےخودی"، مشمولہ کلیات اقبال (فارسی)، طبع سوم، لاھور، شیخ غلام علی اینڈ سنز، مارچ، ۱۹۷۸ء-ص ۱۶۶-

اندرو تقدیر ہائے غرب و شرق
سرعتِ اندیشہ پیدا کن چو برق ۔۱

مطالعۂ قرآن میں تفکر اور تدبر کے ساتھ یہ احساس بھی علامہ کے شامل حال رہا کہ گویا ان پر قرآن مجید نازل ہو رہا ہے۔ چنانچہ اسی تعلق سے نزول قرآن کے بارے میں اقبال فرماتے ہیں:

"میرے والد نے فرمایا 'بیٹا قرآن اسی کی سمجھ میں آسکتا ہے جس پر یہ نازل ہوتا ہے'۔ میں حیران تھا کہ نبی کریمؐ کے بعد قرآن کریم کسی کی سمجھ میں آ ہی نہیں سکتا ــ فرمایا یہ تم نے کیسے سمجھ لیا کہ قرآن کریم حضور انورؐ کے بعد اب کسی پر نازل ہی نہیں ہوسکتا؟ میں پھر حیران ہوا، تو فرمایا 'انسانیت کو جس معراج پر پہنچانا مقصود تھا۔ اس کا نمونہ ہمارے سامنے محمدؐ کی صورت میں پیش کردیا گیا ہے۔ حضرت آدم سے لے کر حضرت عیسیٰ تک ہر نبی میں محمدؐ ہی کے مختلف مدارج تھے۔ وہ سلسلے Mohammad in the making (تکمیل محمدؐ) کے منازل تھے۔ بنیادی اصول ہر جگہ ایک تھا البتہ شعور انسانی کے ارتقا کے ساتھ ساتھ فروعات کی تکمیل ہوتی جاتی تھی حتیٰ کہ محمدؐ مکمل ہوگیا اور نبوت اب بند ہوگئی۔ انسانیت اپنی معراج کبریٰ تک پہنچ گئی۔ اب انسان کے سامنے معراج انسانیت کا نمونہ محمدؐ موجود ہے۔ کوئی انسان جتنا محمدیت کے رنگ میں رنگا جاتا ہے اتنا ہی قرآن اس پر نازل ہوتا جاتا ہے"۔

۱۔ اقبال: "جاوید نامہ"، مشمولہ کلیات اقبال (فارسی)، ص ۶۶۹۔

اسی مطلب کو بال جبریل میں اس طرح ادا کیا ہے۔ ص ۱۳

ترے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزولِ کتاب
گرہ کشا ہے نہ رازی نہ صاحبِ کشاف

اسرار خودی میں لکھتے ہیں: (ص ۱۳)

شعلہ ہائے او صد ابراہیم سوخت   تا چراغ یک محمدصہ بر فروخت

قرآن مجید کے مطالعے سے علامہ اقبال کی غرض یہ تھی کہ قلب محمدی صہ نسبت پیدا کرے۔ چنانچہ نیازالدین خان کو ایک خط میں لکھتے ہیں:

"قرآن کثرت سے پڑھنا چاہئیے تا کہ قلب محمدی صہ نسبت پیدا کرے"۔

اقبال کے عشق کے دو رخ ہیں، ایک عشق قرآن سے ایک عشق خلق قرآن سے۔ اس لیے قرآن پڑھنے سے ان کی غرض یہ تھی کہ ان کا قلب نسبت محمدیہ صہ کی تولید کرے اور وہ محمدی المشرب بن جائیں۔ اس طرح یہ محض فضل ایزدی تھا کہ انھیں حقیقتِ محمدی سے خاص محبت پیدا ہوگئی جو ساری محبتوں پر غالب آگئی اور یہ غلبۂ محبت اس حد تک بڑھا کہ آخر میں حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک زبان پر آتے ہی آنکھوں سے آنسو جاری ہوجاتے۔ چنانچہ اسلم جیراجپوری سے گفتگو کے دوران حج کو جانے کا اشتیاق ظاہر کیا۔ فرمایا میں دو سال سے ارادۂ حج میں ہوں۔ پھر وہ اشعار پڑھے جو حج کے لیے کہے تھے۔ جب اس شعر پر پہنچے:

۱- "اقبال اور قرآن" بحوالہ رسالہ فکر و نظر، اسلام آباد، اگست ۱۹۸۶ء، ص ۱۱۹-

تو باشی اینجا و با خاصاں بیامیز
کہ من دارم ہوائے منزل دوست

تو ان کی آواز بند ہوگئی اور آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگے۔

حبِ رسول صم کا یہ والہانہ جذبہ اس حد تک بڑھا کہ گو مزاجاً ہر حدیث کو قبول کرنے میں احتیاط برتتے ہر وہ حدیث جو فضیلت رسول صم اور معجزے سے متعلق ہوتی فوراً قبول کرلیتے۔ چنانچہ ایک دن جب حضرت ابو سعید خدری رح، کی اس روایت کا ذکر آیا کہ حضور رسالت مآب صم اپنے اصحاب رضم کے ساتھ احد تشریف لے گئے اور احد کانپ اٹھا تو علامہ کہنے لگے یہ محض استعارہ نہیں، اور پھر درد کی تکلیف کے باوجود سیدھے ہوکر بیٹھ گئے اور ایک ایک لفظ پر زور دیتے رہے یاد رکھو یہ محض استعارہ نہیں"۔ ۱

غرض یہ ہے کہ اب علامہ کی فکر و نظر کا محور حقیقت محمدی صم بن گئی جسے ان کے تصورات کا محور کہنا چاہیے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ و سلم کے اسوۂ حسنہ میں انہیں کتاب زیست کی کھلی ہوئی تفسیر نظر آئی جس میں وہ زندگی کے جملہ مسائل کا حل پاتے ہیں۔ وہ عشق رسول صم کے مضمون کو سو سو طرح باندھتے ہیں۔ جمال محمدی صم سے خود بھی مسحور ہوتے ہیں اور قارئین کو بھی مسحور کرتے ہیں۔ اس طرح انہوں نے زندگی کو شاعری اور شاعری کو زندگی بنادیا اور اپنے فن کو قوم کی مسیحائی کے لیے وقف کردیا۔

مولانا روم کی مثنوی کے متعلق کہا گیا ہے کہ ہست قرآن در زبان پہلوی اور علامہ اقبال نے بھی آخری عمر میں یہی مشورہ

۱- رسالہ "اقبال" نمبر ۳۷۴، ص ۱۰۷ -

دیا تھا کہ قرآن اور مثنوی مولانا روم پڑھ لینا جلائے ایمانی کے لیے کافی ہے۔ لیکن علامہ اقبال کے بیشتر کلام پر ہست قرآن در زبان پہلوی کا مضمون صادق آتا ہے، اس لیے کہ ان کی شاعری کی اصلی روح خلقِ قرآن کی ترجمانی ہے جس کی بنا پر ان کے افکار کا سر رشتہ ذات نبی صلعم سے کسی نہ کسی طور پر مل جاتا ہے۔ چنانچہ فارسی مثنوی "پس چہ باید کرد اے اقوام شرق" کی شان نزول بھی وہ خواب ہے جس میں سر سید کہہ رہے تھے کہ تم اپنی بیماری کا ذکر حضور کریم صلی اللہ علیہ و سلم سے کیوں نہیں کرتے۔ چنانچہ در حضور رسالت مآب صلعم کے عنوان سے نعتیہ اشعار لکھے۔ پھر وہ بیرون ہند کے سیاسی اور اجتماعی حوادث سے ایسے متاثر ہوئے کہ ان کے اشعار نے ایک مستقل مثنوی کی شکل اختیار کرلی۔ "در حضور رسالت مآب"۔ اِس کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں ۱۔

اے تو ما بیچارگان را ساز و برگ وارهان این قوم را از ترس مرگ
سوختی لات و منات کہنہ را تازہ کردی کائنات کہنہ را
در جہان ذکر و فکر انس و جان تو صلوات صبح تو بانگ اذان
لذت سوز و سرور از لاالہ در شب اندیشہ نور از لاالہ
نے خداها ساختیم از گاؤخر نے حضور کاهنان افگندہ سر
نے سجودے پیش معبودان پیر نے طواف کوشکِ سلطان و میر
این همہ از لطفِ بے پایان تست فکر ما پروردۂ احسان تست
اے مقام و منزل ہر راہ رو جذب تو اندر دل ہر راہ رو

۱۔ اقبال: مثنوی پس چہ باید کرد اے اقوام شرق، مشمولہ کلیات اقبال (فارسی)، طبع سوم، لاہور، شیخ غلام علی اینڈ سنز، مارچ ۱۹۷۸ء، ص ۸۴۴۔

در عجم گردیدم و هم در عرب مصطفیٰ نایاب و ارزان بو لہب
مومن و از رمز مرگ آگاہ نیست در دلش لا غالب الااللہ نیست

آخر میں فرماتے ہیں :

اے پناہ من حریم کوئے تو ما بامیدے رمیدم سوئے تو
بندۂ را کو نہ خواهد ساز و برگ زندگانی بے حضور خواجہ مرگ
جان زمہجوری بنالد در بدن نالۂ من وائے من ! اے وائے من

بصیری نے قصیدہ بردہ لکھ کر فالج کے مرض سے شفا پائی۔ خواب کی تحریک میں علامہ نے بھی بصیری کی طرح نعت کہی، لیکن دونوں کے مضامین مختلف ہیں۔ یہاں فراق رسول صم میں مہجوری کا بھی بیان ہے اور لقائے حبیب کی تمنا کا بھی مضمون ہے۔ دونوں کا انداز جدا ہے۔

قرآن اور صاحب خلق قرآن یعنی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق ہی سے علامہ کے شخصی عناصر کی تعمیر ہوتی ہے۔

علامہ نے نعت گوئی میں روایتی روش سے ہٹ کر ایک نیا انداز اختیار کیا ہے جسے تجدیدی کہنا چاہیے۔ انھوں نے موجودہ دور کے حالات، اس کے مزاج اور تقاضوں کی رعایت کے ساتھ مولانا روم کا شعار اختیار کیا ہے۔ چنانچہ ارمغان حجاز میں لکھتے ہیں۔۱

چو رومی درحرم دادم اذان من
از او آموختم اسرارِ جان من
بہ دورِ فتنۂ عصرِ کہن او
بہ دور فتنۂ عصرِ روان من

۱۔ اقبال : ارمغان حجاز مشمولہ کلیات اقبال (فارسی)، ص ۹۳۸۔

علامہ نے مولانا روم کی تقلید میں شاعرانہ تمثیلات کا طرز اختیار کیا اور زندگی کے بے‌شمار مسائل حکیمانہ انداز میں پیش کیے جن کی توضیح میں عشق کا عنصر غالب ہے۔ ان کے یہاں فکر اور ذکر دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ ان کے زور بیان میں عشق کو بڑا دخل ہے۔ مثنوی کے ساتھ کہیں کہیں غزل کو بھی شامل کر دیتے ہیں۔ اس آمیزش سے کیف اور فضا پیدا ہو جاتی ہے جو ان کی شاعری کا مقصود ہے۔ وہ زندگی سے متعلق مختلف مسائل کے بیان میں حبِ رسول صم اور اتباع رسول صم کا مضمون موقعے کی مناسبت سے شامل کرتے ہیں۔ ان کا یہی اسلوب آیات قرآنی کی تفسر میں ملتا ہے۔ چنانچہ سورۂ اخلاص کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

گفت مالک مصطفیٰ را چا کرم
نیست جز سودائے او اندر سرم
من کہ باشم بستۂ فتراک او
بر بخیرم ار حریم پاک او
زندہ از تقبیل خاک یثر بم
خوشتر از روز عراق آمد شبم ۱

آگے کی آیت میں پھر نعت کا مضمون پیدا کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

زندگانی مثل انجم تا کجا
ہستیء خود در سحر گم تا کجا
تا کجا طوفِ چراغِ محفلے
ز آتشِ خود سوز گر داری دلے
از پیامِ مصطفیٰ آگاہ شو
فارغ از اربابِ دون اللہ شو

۱۔ اقبال: رموز بیخودی مشمولہ کلیات اقبال، ص ۱۵۹ (در تفسیر سورۂ اخلاص)

پھر ”لم یلد و لم یولد“ کی تفسیر کے تحت لکھتے ہیں:

نیست از روم و عرب پیوند ما　　نیست پابند شب پیوند ما
دل بہ محبوبِ حجازی بستہ ایم　　زین جہت بایک دگر پیوستہ ایم
رشتہ ما یک تولایش بس است　　چشم ما را کیفِ صہبایش بس است
عشق او سرمایۂ جمیعت است　　ہمچو خون اندر عروقِ ملت است
امتِ او مثلِ او نورِ حق است　　ہستی ما از خودش مشق است

ایسی مثالیں بکثرت ہیں جو بظاہر ضمنی نعت میں شمار ہوتی ہیں لیکن نعتیہ مضامین کا اصل منبع وہی ہے جہاں حبِ رسول صہ کے بیان کو سیرت رسول صہ کے ساتھ جوڑ دیتے ہیں۔

ملت اسلامیہ کی تباہی اور اسلامی تہذیب و تمدن کے آثارِ قدیمہ معنوی اور صوری شکل میں دیکھتے ہیں تو اس کھوئی ہوئی عظمت میں انھیں جمالِ محمدی صہ کا پرتو نظر آتا ہے اور ان کا دل پرامید ہو جاتا ہے۔ اس طرح وہ اپنے کلام کا سر رشتہ نبی صہ سے جوڑ کر مسلمانوں کو اتباعِ رسول صہ اور حبِ رسول صہ کی تلقین کرتے ہیں کہ ان کی کھوئی ہوئی دولت پھر ھاتھ آ جائے۔ اس کی مثالیں علامہ کے کلام میں بکثرت پائی جاتی ہیں۔ اسرار و رموز میں ”پیشکش بحضور ملت اسلامیہ“ کے عنوان کے تحت جو اشعار ملت اسلامیہ سے خطاب کے طور پر کہے ہیں ان کے نعتیہ انداز کی چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں۔[۱]

اے ترا حق خاتم اقوام کرد　　بر تو ہر آغاز را انجام کرد
اے نظر بر حسن ترسازادۂ　　اے ز راہ کعبہ دور افتادۂ

۱۔ اقبال: اسرار و رموز مشمولہ کلیات اقبال (فارسی)، طبع سوم، لاھور، شیخ غلام علی اینڈ سنز، مارچ ۱۹۷۸ء، ص ۸۱۔

اے فلک مشتِ غبارِ روئے تو "اے تماشا گاہ عالم روئے تو"
همچو موج آتش تہِ پا می روی "تو کجا بہر تماشا می روی"
طرحِ عشق انداز اندر جان خویش تا کنی با مصطفیؐ پیمان خویش

اسی میں 'در بیان اینکہ خودی از عشق و محبت استحکام می پزیرد' کے تحت لکھتے ہیں۔۱

در دلِ مسلم مقامِ مصطفیٰؐ است
آبروئے ما ز نامِ مصطفیٰؐ است
طور موجے از غبارِ خانہ ایش
کعبہ را بیت الحرام کاشیانہ ایش
مست چشم ساقی بطحا سیتم
در جہاں مثل مے و مینا میتم
خاک یثرب از دو عالم خوشتر است
اے خنک شہرے کہ انجا دلبر است

اس کے علاوہ ارمغان حجاز میں حضور رسالت مآبؐ کے عنوان سے نہایت پرجوش اور موثر قطعات کہے ہیں۔۲

باین پیری رہِ یثرب گرفتم نوا خوان از سرور عاشقانہ
چوں آن مرغے کہ در صحرا سرشام کشاید پر بہ فکر آشیانہ
(ص ۹۰۶)

درونِ ما بجز دودِ نفس نیست بجز دستِ تو مارا دسترس نیست
دگر افسانۂ غم با کہ گویم کہ اندر سینہ ھا غیر از تو کس نیست
(ص ۹۲۷)

۱۔ اقبال: اسرار و رموز مشمولہ کلیات اقبال (فارسی)، ص ۱۹، ۲۰، ۲۱
۲۔ اقبال: ارمغان حجاز مشمولہ کلیات اقبال (فارسی)، ص ۱۶۔

در آن دریا کہ او را ساحلے نیست دلیلِ عاشقاں غیر از دلے نیست
تو فرمودی رہِ بطحا گرفتیم وگر نہ جز تو مارا منزلے نیست
(ص ۹۲۸)

بچشم من نگہ آوردہ تست فروغِ لا اِلٰہ آوردۂ تست
دو چارم کن بہ صبح مَن رآنی شبم را تابِ مہ آوردۂ تست
(ص ۹۳۴)

جہاں ازعشق وعشق ازسینۂ تست سرورش از مئے دیرینۂ تست
جز این چیزے نمیدانم ز جبریل کہ او یک جوہر از آئینۂ تست
(ص ۹۳۶)

بمنزل کوش مانند مہِ نو در این نیلی فضا ہر دم فزوں شو
مقام خویش اگر خواہی دریں دیر بحق دل بند و راہِ مصطفیٰ ص رو!
(ص ۹۴۷)

رموز بے خودی کے آخر میں عرضِ حال مصنف بہ حضور رحمۃللعالمین ، کے چند ابتدائی اشعار نعت میں اپنے گوناگوں محاسن کی بناء پر بے مثل ہیں-۱

اے ظہورِ تو شبابِ زندگی جلوہ ات تعبیرِ خواب زندگی
اے زمیں از بارگاہتِ ارجمند آسماں از بوسۂ بامت بلند
شش جہت روشن زتاب روئے تو ترک و تاجیک و عرب ہندوئے تو
از تو بالا پایۂ ایں کائنات فکر تو سرمایۂ ایں کائنات
در جہاں شمع حیات افروختی بندگاں را خواجگی آموختی

حضور اکرم صلی‌اللہ علیہ و سلم کی سیرت طیبہ کے متعلق یہ اشعار عجیب و غریب جذبات و کیفیات کا آئینہ ہیں اور علامہ کے

۱- اقبال : اسرار و رموز مشمولہ کلیاتِ اقبال (فارسی) ، ص ۱۶۶ -

اس فطری ذوق کی غمازی کر رہے ہیں جس کی تربیت بچپن ہی سے ہوئی ہے اور انکے ضمیر میں داخل ہے۔

ایک اور غیر مطبوعہ نعت رسالہ اسلامی تعلیم لاہور ۱۹۸۳ء میں چھپی تھی اسکا مطلع یہ ہے۔

اے کہ بر دلہا رموز عشق آساں کردہ ای
سینہ ہارا از تجلی یوسفستاں کردہ ای

علامہ اقبال کے نعتیہ کلام کو اس نظر سے دیکھا جائے، اور اسکے مختلف اجزا کو ایک ساتھ جوڑ کر اسکی تدوین کی جائے تو بجائے خود یہ ایک بہت بڑا کام ہے۔

احیائے دین کے تعلق سے علمائے دین اور مجددین نے جو ذرائع اختیار کیے، ان میں انکی علمی اور ادبی کارناموں کو بھی بڑا دخل ہے۔ اس خصوص میں علامہ اقبال کا فکری سرمایہ بھی مسلمانوں کے لیے نہایت قیمتی ہے۔ انہوں نے احیائے سنت اور شعار مع، طفوی صم کی بحالی کے لیے نثر کے بجائے خاص طور پر نظم کو آلۂ کار بنایا۔ جو خدمت اس خصوص میں انجام دی اسکی مثال اسلامی شعری ادب میں نہیں ملتی۔ ان کی شاعری نے یہ ثابت کردیا کہ شاعری بھی پیغمبری کا ایک جزو ہے۔ تبلیغ کا یہ انداز اس قدر موثر ثابت ہوا کہ قوم نے اصلاح کی راہ میں ان کی کڑی تنقید کو بھی انگیز کرلیا۔ اقبال نے خانقاہی، صوفیوں اور علمائے دین سے لیکر عام مسلمانوں تک سبھی پر سخت تنقید کی ہے یہاں تک کہ کافر کہہ دیا۔

بتوں سے تجھ کو امیدیں خدا سے نو میدی
مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے۔

ملا اور دو رکعت کا امام همیشه ان کا هدف بنے رهے۔ مگر ان کے شعر کی سحر آفرینی کچھ ایسی هے کہ سبھی نے داد دی اور سبحان اللہ واہ واہ کہنے پر مجبور ہو گئے۔ اس لیے کہ علامہ جس لہجے میں آواز بلند کرتے هیں وہ دلوں میں اتر جاتی هے اور بیان کا جادو بولنے لگتا هے۔ اگر ان کی شاعری کو هم پیغمبری کا ایک جزو سمجھ لیں تو یہ کہنا پڑتا هے کہ جس طرح قرآن مجید حضور اکرم صہ کا معجزہ هے اسی طرح اقبال کا کلام هست قرآن در زبان پہلوی ان کا معجزہ نہیں تو ان کی کرامت ضرور هے۔

آخر میں اس قدر اور عرض کروں کہ ناقدین کا خیال هے کہ اقبال نے خدا کے ساتھ شوخیاں کی هیں۔ بلا شبہ کی هیں اور یہ بھی کہا گیا هے کہ ان کا کلام پڑھ کر خدا کے ساتھ ان کا تعلق حریفانہ اور مساویانہ معلوم هوتا هے۔ یہ بھی ممکن هے۔ لیکن یہ حقیقت اس جگہ مسلم هے کہ بارگاہ نبوی میں وہ جب بھی پہنچتے هیں تو اس جذبے کے ساتھ کہ :

ادب گا هیست زیر آسمان از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید اینجا

اس کی وجہ بھی قرآن کریم کی وہ هدایت هے جو ان کے پیش نظر هے کہ :

> "اے اهل ایمان! اپنی آواز میں پیغمبر کی آواز سے اونچی نہ کرو اور جس طرح آپس میں ایک دوسرے سے زور سے بولتے هیں اس طرح ان کے روبرو زور سے نہ بولو۔ ایسا نہ هو کہ تمهارے اعمال ضائع هو جائیں اور تم کو خبر بھی نہ هو"۔

لیکن ایسا حکم اللہ نے اپنے لیے صادر نہیں فرمایا بلکہ جب

موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ گستاخی پر سرزنش کی تو اللہ تعالیٰ کا عتاب نازل ہوا اور تنبیہ کی گئی۔

تو برائے وصل کردن آمدی نے برائے فصل کردن آمدی

اس لیے اکثر بزرگوں نے "با خدا دیوانہ باش و با محمد ہوشیار" کا مسلک اختیار کیا ہے؛ میں یہ نہیں کہتا کہ کہاں تک درست ہے۔

اگر علامہ کے اس قسم کے اشعار پر اعتراض ہے تو مکتوبات ربانی میں دفتر سوم کے مکتوب نمبر ۱۲۱ کی اس عبارت کا کیا جواب ہے:

"محبت من بحضرت حق سبحانہ ازاں جہت ست کہ او
تعالیٰ رب محمد ست صلی اللہ علیہ و آلہ و اصحابہ وسلم

غلبہ عشق نبی صہ میں کبھی یہ بھی ہوتا ہے"۔

غرض یہ کہ اقبال کی نعتیہ شاعری کے محاسن بےحد و حساب ہیں۔ ان کے ذکر و فکر دونوں میں حقیقتِ محمدی بسی ہوئی ہے، ان کا مرد مومن، مرد خودی، مرد حق اور مرد قلندر سبھی اس آفتابِ رسالت سے اکتسابِ نور کرتے ہیں۔ اس لحاظ ان کی ساری حکمت آفرینی میں روح محمدی جاری و ساری ہے۔ ان کا صدق و خلوص، سوز و گداز، جوش بیان اور لطیف تخئیلی رنگ اسی بارگاہ کی دین ہیں:

ما ان مدحت محمدا بمقالتی
لکن مدحت مقالتی بمحمد